بانوقدسیہ کے افسانوں میں نسائی شعور

ثروت بتول [1]، پروفیسر ڈاکٹر روبینہ شاہین **

Abstract:

"The purpose of this article is to visualize "women's" consciousness (feminism), portrayed by Bano Qudsia (1928 – 2017) in her stories. After the establishment of Pakistan, Bano remained prominent among women fictionist who wrote on feminism diversity and variety of topics is the hallmark of Bano with respect to others. Bano represented each and every topic relating to women. it encompasses mental attitude of women regarding psychological, sexual and private issues, as well as, social disparity and exploitation. She portrays both negative and positive aspects of like gender. Bano represents self award and strong women because she believes that women are itself an entity and attributes of her beauty is secondary reference. Moreover, she has the skills to alter the attitudes of others because she knows the secrets of love and its manifestation. Themes and character of her short stories revolves around educated women in urban life. Her feminist approach based on eastern culture where religion plays an important role. Unlike western feminist, her women are never revolted against man, rather she living in her own sphere, portrays man as her protector. That's why she restrained from western feminism and never abused male dominant society to claim her identity and self elevation. However, she never neglected and compromised the status of women in society; rather, she is of the opinion that both men and women are equal and all important and supporting part of a machine, having their own stature and never lives independently."

افسانوں میں نسائی شعور کی ابتداءتو مرد افسانہ نگاروں کے ہاں ہی دکھائی دیتی ہے لیکن جب عورت تخلیق کے میدان میں آئی تو اس نے عورت کے مسائل ، اس کی یکسانیت اور اس کی شخصیت میں تہہ در تہہ سر بستہ رازوں کو آشکارا کرنا شروع کیا، کیونکہ عورت نے اپنی ترجمانی ، اپنی خود احتسابی ، اپنی خارجی و داخلی زندگی کے سارے روشن اور تاریک پہلوؤں کو بیان کرنے کا ہنر سیکھ لیا ۔مرد نے جب عورت کو بیان کیا تو ظاہرسی بات ہے کہ وہ ان کی اپنی ذات نہیں تھی اس لیے عورت کے مطالعہ اور تفہیم میں مرد کی غلطی قابل معافی ہو سکتی ہے ، لیکن عورت کے بیان میں اگر عورت غلطی کرے تو اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ وہ یا تو اظہا ر سے خوفزدہ ہے یا کوہ تاہ فہمی کے باعث اظہار پہ قادر نہیں۔

سیمون دی بووا نے کہا ہے کہ:

> ''ہم نسوانی دنیا کو مردوں کی نسبت زیادہ گہرائی میں جانتی ہیں کیونکہ اس کے اندر ہماری جڑیں ہیں۔ ہمیں مردوں کی نسبت زیادہ بہتر اور واضح طور پر معلوم ہے کہ کسی انسان کے عورت ہونے کا کیا مطلب ہے۔''(۱)

اردو افسانے میں خواتین کی افسانہ نگاری کا جائزہ لیا جائے تو بیشتر خواتین افسانے نگاروں

---

[1] پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اُردو ،پشاور یونیورسٹی، پشاور
** پروفیسر، شعبہ اردو ، پشاور یونیورسٹی، پشاور

کے ہاں عورت کا مطلب اور اس کی تفہیم کے حوالے سے ایسے افسانے ملے ہیں جن میں انہوں نے عورت کو نہ صرف سمجھا بلکہ اس کے داخل میں موجود اس کشمکش کو بھی اپنے افسانوں کا موضوع بنایا جو اس سے پہلے ادب کا حصہ نہ بنے تھے ، حجاب امتیاز علی ، رضیہ سجاد ، ڈاکٹر رشید جہاں ، عصمت چغتائی، واجدہ تبسم، خدیجہ مستور ، ہاجرہ مسرور، جیلانی بانو، ممتاز شیرین، قرۃ العین حیدر ، الطاف فاطمہ ، بانو قدسیہ ، جمیلہ ہاشمی ، فرخندہ لودھی،اختر جمالی ، خالدہ حسین ، نیلم احمد بشیر، نیلو فر اقبال، عطیہ سید، زاہدہ حنا اور دیگر کئی افسانہ نگار خواتین نے عورت کے داخلی و خارجی مسائل کو موضوع بنایا ، انہوں نے اپنے افسانوں میں نسائی ، عصری حیثیت اور بصیرت کا ثبوت دیا ہے اگر چہ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بحیثیت انھوں نے عورتوں کے مسائل کو زیادہ توجہ اور تواتر سے بیان کیا ہے لیکن اس حقیقت سے فرار بھی ممکن نہیں کہ ان خواتین افسانہ نگاروں کے ہاں معاشرے کے دیگر حقائق اور رویے بھی بیان ہوئے ہیں اس لیے ان کو نظر انداز کر کے ان کے زاویہ نگاہ کو محدود سمجھ لینا زیادتی ہے ، ان خواتین افسانہ نگاروں کے موضوعات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔انہوں نے پدرسری معاشرےکے قائم کردہ اقدار جس میں عورت کے حقوق غصب کر کے انہیں ذہنی طور پر پسماندہ رکھنے کی کوشش ہوتی رہی ، اس کے خلاف آواز اٹھائی ، خواتین افسانہ نگاروں نے کبھی تو براہ راست اور کبھی اپنے کرداروں کے ذریعے ان سماجی رویوں اور برائیوں کو نشانہ بنایا ہے ، جس میں عورت کے ساتھ منفی اور امتیازی سلوک کیا جاتا رہا ، ہمیشہ عورت کو کم تر ،ملعون اور معطون ثابت کیا گیا۔ مرد اساس معاشرے کی تنگ نظری ، منفی سوچ اور دقیانوسی عقائد نے عورت پر وہ مظالم اٹھائے کہ عورت زخمی روح کے ساتھ جیتی رہی کیونکہ عورت چاہے افسانے کی ہو یا حقیقی زندگی کی دونوں صورتوں میں بنیادی حقوق حاصل کرنے سے قاصر تھی ، ہندوستانی معاشرہ میں عورت کو غلام اور باندی سمجھا گیا ، مردوں کے ہاتھوں ہر وقت عورت کی عزت نفس مجروح ہوتی رہی اور وہ پھر بھی اس کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور تھی ۔

۱ن خواتین افسانہ نگاروں نے نسائی شعور کے حوالے سے جن جن صورتوں کو بیان کیا ان میں عورت پر ظلم و ستم اور استحصال سے لے کر ایک تعلیم یافتہ ، خود مختار، آزاد عورت تک کے تمام مراحل کو وقت اور حالات کے بدلنے کے ساتھ ساتھ بیان کیا، جب معاشرے میں عورت کو وقعت اور اہمیت ملنے لگی افسانے کی عورت بھی اس ارتقاءمیں اہمیت حاصل کرنے لگی ۔

خواتین افسانہ نگاروں نے سماج میں عورت کی کم تر حیثیت ،جہالت، مرضی کی شادی ، بے جوڑ شادی ، جنسی استحصال ، بیوہ، مطلقہ ، بڑی عمر کی کنواریوں ، باہر کام کرنے والی عورتوں اور پیشہ کرنے والی عورتوں کے بے شمار مسائل کو موضوع بنایا۔

خواتین افسانہ نگاروں کے ہاں نسائی شعور کی ہروہ صورت ملتی ہے جس کا عورت کو حقیقی زندگی میں سامنا تھا۔مجموعی لحاظ سے دیکھا جائے اردو افسانے کی روایت میں خواتین افسانہ نگاروں نے اپنا کردار ادا کیا ہے۔ ناموافق حالات کے باوجود انہوں نے اپنا تخلیقی سفر جاری رکھا اور افسانے کی صنف کو مالا مال کیا ۔

اردو افسانے میں جنسی حقیقت نگاری عصمت چغتائی کے تلذذ سے شروع ہوکر حقیقت نگاری کے دائرے میں داخل ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔اسی روایت کے تحت مردو خواتین افسانہ نگاروں نے کھلے بندوں جنس کے موضوع پر لکھا۔بانو قدسیہ کے ابتدائی دور کے افسانوں میں جنس اورمحبت کا جذبہ غالب نظر آتاہے۔ اور اکثراوقات یہ محبت جنس آپس میں یکجا ہوتےنظرآتےہیں۔حالانکہ جنس ایک الگ اور محبت ایک الگ جذبہ ہے۔ان کے افسانوں میں ہرمحبت کرنے والا صنف مخالف کے لمس کا متمنی ہے۔اور بعض اوقات تو یہ جنسی پیش کش ہوس ناکی کو فروغ دیتی نظر آتی ہے۔

افسانہ "کاغذی ہے پیرہن"میں سعدیہ ممتاکے جذبے سے سرشارہوکر اپنے دیور کو محبت دیتی ہے لیکن دیور کی جذباتی تشنگی کو دور کرتے کرتے خود اس کی محبت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ دیور بھابی کے درمیان قائم ہوس پرستی کو ملاحظہ کیجیے:

''اس نے میراسراپنے سینے پریوں ڈال لیا،جیسے میں اس کا بچہ تھا،اورپھرکچھ نہ بولی ،آہستہ آہستہ مجھے تھپکتی رہی،پچھکارتی رہی،اس کا سانس ماؤتھ واش سے مصفا کیا ہوا سانس نہیں بلکہ اندرونی پاکیزگی سے معطر سانس میرا ماتھا چومتارہا اور میں وہی سوگیا۔ایسی نیند سے میں پھربھی کبھی واقف نہ ہوسکا۔''(۲)

اس طرح افسانہ "پہلا پتھر"میں زبیر شادی سے پہلے اپنی محبت حاصل کرنے کے لیے "زار"سے زبردستی جنسی تعلقات قائم کرتاہے۔ملاحظہ کیجیے:

''زبیر کے بالوں بھرے بازو آگے بڑھے اور اس نے زار کو اپنی گرفت میں لے لیا۔
چھوڑیے زبیرصاحب۔
ڈرتی ہو۔
مجھے گھرلےچلیے۔پلیززبیر مجھے گھر لے چلیے ----وہ بپھرے ہوئے شیر کی مانند اس کی طرف لپک کر آیا اور ایک ہی ریلے میں اسے بہاکر لے گیا۔''(۳)

افسانہ "دانت کا دستہ "میں اجمل عائشہ کے اور ''باپ پرست''کا "انجم" تہمینہ کے جسم کا متلاشی نظر آتا ہے۔

بانو قدسیہ کے افسانوں میں جنس کا غلبہ کچھ زیادہ ہی نظرآتاہے۔ان کے خیال میں جنسی تعلق انسان کی فطری ضرورت ہے اور چاہے مرد ہو یاعورت وہ اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتے۔افسانہ "مجازی خدا"میں بانوقدسیہ نے طوائف کا اپنی بچی کو دودھ پلانے کا منظر جن الفاظ میں منظرکھینچاہے اس میں منٹوا ورعصمت کے اتباع کو دیکھاجاسکتاہے۔ملاحظہ کیجیے:

''تابی نے جوبچی کو گودمیں لیا توایک بارہمک کر اس نے ماں کی چھاتیوں پر ہاتھ مارا اور پیچ سا دودھ چھل چھل رسنے لگا۔اس وقت ننھی کو دودھ پلاتی تابی عجیب سی لگ رہی تھی۔جسے پانچ کیوبک فیٹ کے فریج میں کسی نے دال کی بھری لبالب ہانڈی رکھ دی ہو۔انگیا کے بنگلےبانکڑی سے بنے تھے۔اورپان پر کرن کی جھالر تھی۔بروکیڈ کی کٹوری پر ساری سیون صراحی دار موتیوں سے جگمگارہی تھی۔ململ کے کرتے تلے ایسی جگرجگر کرتی انگیا بھی عجیب سی لگ رہی تھی۔''(۴)

جنس جو ایک بنیادی انسانی جذبہ و جبلت ہے۔اس کے منہ زور بہاؤ سے معاشرے کی بہت سی قدغنوں پرضرب پڑتی ہے لیکن سماج میں اس سے قطع نظر نہیں کیا جا سکتا اور نہ صرف بانو قدسیہ کے ہاں اس جبلت کی بھر پور عکاسی ملتی ہے بلکہ اس نسائی شعور کا احاطہ بھی ممکن ہو سکتا ہے جو عورتوں کی بنیادی ضرورت ہے۔

بانو قدسیہ نے خاص طور پر عورت کی ذات ، شخصیت اور اس کے داخلی وجود کو نہ صرف سمجھنے کی کوشش کی بلکہ ان کے ہاں عورت کے وجود سے متعلق ان تمام سوالوں کے جواب تلاش کرنے کی سعی بھی ملتی ہےجس سے عورت کی تفہیم میں مدد مل سکتی ہے ۔ ان کے نظریات کسی مخصوص عورت سے متعلق نہیں ہیں بلکہ معاشرے کے ہر طبقہ کی عورت کی تصویر کشی ملتی ہے۔

بانو قدسیہ کے غالب موضوعات میں سے ایک موضوع عورت کی مظلومیت اور اس کےجنسی حقوق کا استحصال ہے ۔ وہ عورت ہونے کے ناطے عورت کے دکھوں ، تکلیفوں او رمسائل سے بخوبی واقف ہیں ۔ اس لیے ان کے اکثر افسانوں میں عورت کی بے بسی کی بات ہوتی ہے ۔آج اگر چہ زمانہ بہت ترقی کر چکا ہے اورتعلیم نے عورت کے شعور کو بھی بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے لیکن اسکے باوجود دیہات اور نچلے طبقے میں جہالت کے سبب آج بھی عورت پر اسی طرح کے مظالم روا رکھے جاتے ہیں۔ بانو قدسیہ کے افسانے میں ان مظالم کے خلاف ہلکی سی بغاوت اٹھتی محسوس ہوتی ہے۔افسانہ "سوغات" نچلے طبقے کی عورت "شریفاں " کی بے بسی کی داستان ہے ۔جس کا شوہر "تاجا" ایک ٹرک ڈرائیورہے وہ مختلف بازاری عورتوں سے تعلقات رکھ کر اپنی بیوی کی حق تلفی کرتا رہتا ہے۔

افسانہ " موج محیط آب میں" متوسط طبقے کی عورت" مینا"ہمارے سامنے آتی ہےجس کا جنسی

استحصال شادی کی پہلی رات سے شروع ہو جاتا ہے ۔شوہر پہلی رات ہی اس سے اس انداز میں مخاطب ہوتا ہے ۔

''یہ مشرقی شادیاں بڑی تھکا دینے والی ۔۔۔ اور احمقانہ ہوتی ہیں ۔۔۔ آپ یہ گھوڑے کا ساز سب اتار دیں اور کوئی نائٹ سوٹ وغیرہ پہن لیں۔''(۵)

عورت کو اللہ نے فطرتاً ستائش پسند بنایا ہے ۔وہ اپنے حسن کا خراج مرد کی زبانی سننا چاہتی ہے ۔ مینا نے بھی اپنے دل میں ایسے شوہر کی تمنا کی جو اس کے حسن کی ستائش میں لفظوں کے موتی پروئے لیکن بد قسمتی سے مینا ایک ایسے شخص کی سیج کی دلہن بن کر آئی جو کہنے سننے کی بجائے کر گزرنے کا قائل تھا۔ جس میں محبت کا شائبہ تک نہ تھا ۔ یہ بلیغ اشارہ اس جملے سے واضح ہے ۔

''دولہا کے گھال میل نے جسم کی کئی حصوں پر نیل ڈال دیے تھے لیکن چہرے پر ایک بوسے کا نشان بھی نہ تھا، مینا نے کئی بار پانی پیا لیکن بار بار اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کسی نے اسے کھاری بوتل میں ریت ملا کر پلا دی ہو اور سارے دانت کر کرا رہے ہوں ۔''(۶)

"مینا" کےلیے سب سے بڑا دکھ یہی تھا کہ ریحان اسے سمجھنے کےلیے جسم کا سہارا لیتا ہے ۔عورت جسم کے علاوہ بھی کچھ ہے اور عورت یہی چاہتی تھی کہ وہ مرد پر جسم سے نہیں روح کی گہرائیوں سے آشکارہ ہو لیکن مرد عورت تک پہنچنے کے لیے جسم کا سہارا لیتا ہے۔ روح سے تعلق رکھے بغیر ممتاز مفتی اس بارے میں لکھتے ہیں۔

''پتا نہیں کیو ں ہم مردوں نے یہ خوش فہمی پیدا کر رکھی ہے کہ عورت چاہے جانے کی خواہش جسم سے تعلق رکھتی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ عورت سے جسمانی ملاپ کر لو تو وہ مطمئن ہو جاتی ہے۔ یہ مفروضہ قطعی طور پر غلط ہے ۔ عورت کو در حقیقت ایک محبت بھری گود چاہیے ۔محبت بھرا ماحول ، محبت بھری وفا۔''(۷)

"ریحان" کے خیال میں شادی جسمانی تعلق کے سوا کچھ اور نہیں تھی اور "مینا" نے بھی خود کو اس سمجھوتے کی نذر کر کے حالات سے مطابقت پیدا کر لی تھی لیکن جب وہ دیکھتی ہے کہ یہی مرد محبت بھری سوغاتوں کو اس کی سوکن کے دامن میں بڑے والہانہ انداز میں پیش کر رہا ہے ۔جس کےلیے وہ ہر لمحہ تڑپتی رہی ہے۔ تو یہ منظر اس کےلیے نا قابل برداشت ہو جاتا ہے بانو قدسیہ نے یہاں مرد کی منافقت اور دہرے رویے کو بیان کیا ہے جو "مینا" جیسی زندگی اور جذبات سے بھر پور بیوی کو تو زیور سے آراستہ گھوڑے کے سازو و سامان سے تشبیہ دے کر اس کی دل آزاری کرتا ہے لیکن اپنی دوسری شادی کے وقت یہی سب کچھ اسے بہت خوبصورت دکھائی دیتا ہے۔

بانو قدسیہ نے عورت کے جنسی استحصال کے ساتھ ساتھ معاشی استحصال کو بھی اپنے افسانوں میں بیان کیا ہےچاہے وہ عورت ملازمت پیشہ ہو یا گھر گرہستی والی۔ہردوصورتوں میں مرد اساس معاشرے میں اس کا استحصال ہوتاہےچونکہ مرد طاقت وقوت کی علامت ہے اس لیے وہ عورت کے ساتھ جو چاہے کرسکتاہے۔بانوقدسیہ نے معاشرے کے متضاد رویوں کو بیان کیا کہ ایک طرف تو عورت کی تعلیم اور اس کے حاصلات کی بات کی جاتی ہے تو دوسری طرف یہی معاشرتی رویے عورتوں کی تعلیم اور اس کی نوکری کو برا سمجھتے ہیں۔

"فلورہ اور فریدہ"افسانے کا موضوع یہی ہے جس میں "فلورا "کا کردار ایک ایسی دھتکاری ہوئی عورت ہے جو نرسنگ کے پیشے سے وابستہ ہونے کی وجہ سے اپنی محبت کھودیتی ہے۔کیونکہ ہمارے معاشرے میں نرسنگ کے پیشے کو معیوب سمجھا جاتاہے۔"انجینئر صاحب" فلوراسے محبت کرنے کے باوجود فریدہ کا انتخاب کرتاہے کیونکہ معاشرے کے اجارہ داروں کو جواب دینے کی اس میں سکت نہیں ہے۔

اسی طرح افسانہ" انتربوت اداسی "میں بانو قدسیہ نے عورت کی اسی بے بسی اور معاشی مجبوری کو موضوع بنایا ہے ، جو اپنے گھر کی غربت سے تنگ آکر پانچ بچوں کے باپ قدیر سے

صرف اس لیے تعلق رکھتی ہے کہ وہ کبھی اسے اپنے کھوکھے سے ٹھنڈا کوکاکولاپلاکر ،پلاسٹک کے کلپ ، نقلی ہار ،کانچ کی چوڑیاں اور ناک میں ڈالنے والا بڑاچمکدار جھوٹا کوکا دے کر اس کا جنسی استحصال کرتارہتاہے۔ اس افسانے میں انہوں نے عورت کے اندر کی تلاش بڑ ی خوبی سے کی ہے۔ " ہاجرہ " اس افسانے کا مرکزی کردار ہے جو مجبوریوں کے ہاتھوں اپنی زندگی میں بار بار سمجھوتہ کرتی رہی ہے ۔

بانو قدسیہ نے دراصل عورت کی جسمانی ضرورت کو نظر انداز کرنے کے حوالے سے سوال اٹھایا ہے جب عورت کی جسمانی ضروریات کا خیال نہ رکھاجائے تو معاشرے میں بگاڑ لازمی ہے ۔جنس کا جذبہ زور آور اور شدید ہے اس تحت انسانی جبلت سب کچھ کرگزرنے کو تیار ہوجاتی ہےچنانچہ شادی سے پہلےپانچ بچوں کے باپ قدیر سے تعلقات قائم کر لیتی ہےاورشادی کے بعد شوہرکے نیم پاگل ہونے کے باعث سسرسے جو کہ باپ کی مانند ہوتا ہے جسمانی تعلق کو بھی گوارا کرتی ہےکیوں کہ سسر کو پاگل بیٹے کا وارث چاہیے اور پھر آخر میں بیٹے کی پرورش کے بہانے شیخ صاحب سے تعلق قائم کرتی ہے۔عورت کا یہ کردار بار بار ایسا کرنے پر اس لیے مجبور ہے کیونکہ اس کی ضرورت ہمیشہ ادھوری رہی اور اس بات کو کوئی سمجھ نہ سکا ۔

عورت ساری زندگی اپنی روح اور جسم کا رشتہ برقرا ر رکھنے میں گزار دیتی ہے ، پاگل شوہر تو اس کی جائز فطری خواہش پوری کرنے سے رہا ۔سو اسے اپنی حدود پامال کرنی پڑیں ، اس بلیغ جملے سے عوررت کی مجبوری اور فطری تقاضے کی خواہش کو سمجھا جا سکتا ہے:

> ''میں اپنی ساس کو سمجھا نہیں سکتی تھی کہ جو رشتہ عزت بچانے سے شروع ہوا تھا وہ حمل ٹھہر جانے کے بہت دیر تک کیوں جاری رہا ؟ کئی باتیں تاریخ کے واقعات کی طرح ہوتی ہیں ان کی کئی تاویلیں ،کئی تھیوریاں تو ہو سکتی ہیں لیکن سچائی اور اصلیت تک پہنچنا قریب نا ممکن ہوتا ہے ۔''(۸)

عورت کے دکھ کو اس دنیا میں کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا ، حالانکہ اس کی اپنی ماں اور ساس تو خود عورتیں ہیں لیکن اس کے دکھ سے نا آشنا رہیں ۔ ہر رشتے کو صرف اپنی عزت اور ذات سے سروکار تھا۔ اس مجبور عورت کی مجبوری اور اس کی جسمانی ضرورت کو سمجھنے کی کسی نے کوشش نہ کی ۔

بانو قدسیہ نے عورت کے اس جذبے کو معاشرے کی تلخ حقیقت سے جوڑدیاہم عام زندگی میں آئے دن ایسے واقعات دیکھتے ہیں لیکن تخلیقی سطح پر بانو قدسیہ نے اپنے فن کا حصہ بنایا ۔

بانو قدسیہ نے اس افسانے میں جس طرح ایک عورت کے احساسات کو پیش کیا ہے یہ انہیں کا کمال ہے۔ مرد اساس معاشرے میں عورت اور مرد کے مابین جو فرق روا رکھا جاتا ہےاوران کے مرتبے متعین کیے جاتے ہیں ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''ابا بڑا چپ آدمی تھا، لیکن ابا کی چپ میں ایک چال تھی میں ابا کی طرح چپ نہیں ، میری چپ حویلی کے صدر دروازے کے قدموں میں گرے ہوئے اس قفل کی مانند ہے جسے پچھلی رات چور دروازے کے کنڈے سے اتار کر پھینکے گئے ہوں ، ایسا تالا بہت کچھ کہتا ہے لیکن کوئی تفصیل بیان کرنے سے قاصر رہتا ہے وہ ساری واردات سے آگاہ ہوتا ہے لیکن اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہہ سکتا ۔۔۔ میری اور ابا کی چپ میں بڑا فرق تھا ، ابا ان اونچے پہاڑوں کی طرح چپ تھا جن کے قدموں میں لہریں شور مچا مچا کر سوجاتی ہیں میری چپ اس لاوے کی مانند تھی جو زمین کے اندر ابلتا ، سڑتا ، بہتا کہیں کا کہیں اتر جاتا ہے ۔''(۹)

جس انداز سے بانو قدسیہ نے مرد واور عورت کی خاموشی کے فرق کو بیان کیا دراصل یہ فرق عورت اور مرد کے مرتبے کا ہے ،عورت اور مرد کی سوچ کا ہے ، عورت اور مرد کی سماجی حیثیت کا ہے، عورت اور مرد کی نفسیات کا ہے ۔ انہوں نے بتایا کہ عورت کی خاموشی بے بسی اور مجبوری کی خاموشی ہوتی ہے ، بے اختیاری کی خاموشی ہوتی ہے جبکہ مرد کی خاموشی ،خاموشی ہونے کے باوجود بے اختیار نہیں ہوتی ، بے بس نہیں ہوتی ، جس طرح "ہاجرہ" کا ابا خاموش رہتا اور ماں بولتی

رہتی ، جب ماں بول بول کر ہلکان ہو جاتی تو ابا ایک مسکراہٹ دے کر اسے زیر کر کے گھر سے چلا جاتا۔ بانو قدسیہ نے یہاں مرد کو پہاڑ کی مانند معاشرے میں کھڑا ہوا اور عورت جو لہروں کی طرح پہاڑ کے قدموں میں شور مچا کر خود ہی تھک ہار کر بیٹھ جاتی ہے کیونکہ وہ بے بس ہے مرد کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی ، جبکہ ہاجرہ جو کہ ایک عورت ہے بولنا چاہتی ہے لیکن لاوے کی مانند اندر ہی اندر ابلتی ، سڑتی رہتی ہے ، لیکن کچھ کہہ نہیں سکتی ۔

"بہوا" افسانہ مرد کے ظلم و ستم اور دو مظلوم عورتوں کی داستان سنا رہا ہے ۔ بانو قدسیہ نے اس افسانے کے دو کرداروں " بہوا" اور "دلہن بیگم"جو معاشی حالت میں تو ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن مرد کے ہاتھوں دونوں ظلم و ستم کا شکار ہیں۔ دونوں نسائی کردار ایک عورت ہونے کے سزا بھگت رہے ہیں۔ " بہوا" اگر چہ غریب ہے لیکن بے حد خوبصورت ہے ۔ اولاد نہ ہونے کے سبب اس کی خوبصورتی اس کے شوہر مہر دین کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتی ، جبکہ " دلہن بیگم " اولاد کی خوشخبری سنا دیتی ہے لیکن معمولی شکل و صورت کی بناءپر اپنے شوہر کے دل میں جگہ نہ بنا سکی۔ اس افسانے کے دونوں مرد کردار اس بناءپر اپنی اپنی بیویوں کو گھرسے نکال دیتے ہیں۔ بانو قدسیہ نے اس افسانے میں یہ بتانا چاہا کہ خوبصورتی اور بد صورتی کوئی معنی نہیں رکھتی ۔ اصل بات مرد کی سوچ اور پسند کی ہے ۔ مرد اساس معاشرے میں عورت پر ایسا ہی ظلم ہوتا ہے کہ اگر بچہ نہ ہو تو عورت ہی اس کی ذمہ دار ٹھہرتی ہے اور اگر عورت خودخوبصورت نہ ہو تو اس میں بھی عورت کا ہی قصور ہے ۔ غرض جو باتیں قدرت کے اختیار میں ہیں اور دنیا کا ہر انسان چاہے وہ عورت ہو یا مرد اس چیز میں بے بس ہے ، توپھر ایسے معاشرے میں سزا کی مستحق صرف عورت ہی کیوں ٹھہرتی ہے ۔ مرد اس معاملے میں بری الذمہ کیوں ہو جاتا ہے ۔

بانو قدسیہ کے ہاں نسائی شعور کی یہ جہت بہت نمایاں ہے کہ عورت چاہے ملازمت پیشہ ہو یا گھرداری کی ذمہ داریاں اٹھارہی ہو اس کی معاشی حالت قابل توجہ ہے۔اگر وہ ملازمت پیشہ ہے تو مرد اپنی برتری جتاتے ہوئے اس کے کام میں نقائص ڈھونڈتاہے یا اس کی آمدنی پر نظر رکھتاہے۔جیسے افسانہ "دو رنگی "کا مرد کردار کالج کی پروفیسر "دلبری "سے شادی اس کی تنخواہ کے لئے کرنا چاہتا ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ عورت ہر دوصورتوں میں مرد کےہی دست نگر نظر آتی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ ہم سماجی سطح پر آج بھی دو بھوک کا علاج نہیں ڈھونڈ سکےچاہے وہ جسم کی ہو یا پیٹ کی۔اس حقیقت کی نشاندہی ان کے کئی افسانے کرتے ہیں۔

اگر ذہنی ارتقا کی بات کی جائے تو بانوقدسیہ کے ہاں یہ بتدریج موجود ہے۔ابتدائی افسانوں کے زاویے جنسی اور معاشی طور پر نمایاں ہیں لیکن بتدریج وہ اس عورت کی طرف بڑھتی ہیں جو جدید تعلیم سے آراستہ اور مقابلے کی صلاحیت رکھنے والی ہے اب وہ نسائی شعور کو تانیثیت کے بہت قریب لے آتی ہیں۔یہ عورت اپنے حق کے لیے آواز بلند کرنا جانتی ہے اور اس کا استحصال اتنا آسان نہیں۔اس ضمن میں ان کے افسانے سیلف میڈ آدمی ،نیت شوق،اور دشت امکاں دیکھے جاسکتے ہیں جن کے نسائی کردار اپنی اہمیت اور طاقت سے واقف ہیں۔وہ اپنی آزادی، مرضی،رائے کو کسی شخص یا مسلک کے تابع نہیں کرتے۔بلکہ وہ اپنی مرضی کے مطابق اپنی زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔

بانو قدسیہ عورت کو اس حد تک آزادی دینے کی قائل بھی نظر آتی ہیں کہ وہ اپنی زندگی میں اپنا جیون ساتھی پسند کر لے اور اگر وقت کے ساتھ ساتھ اس کے ذہن میں کوئی تبدیلی آگئی ہے تو اس کو یہ آزادی ہونی چاہیے کہ وہ بحیثیت انسان ہونے کے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر کے اسے چھوڑ بھی سکیں۔اگر ان کو اپنے مستقبل کےلیے ماضی سے بہتر کوئی رشتہ ملے تو وہ اپنے مستقبل کو سنوارنے کےلیے کوئی بہتر فیصلہ کر سکیں۔ جیسے پہلے زمانے میں لڑکیوں کو کولہو کے بیل کی طرح کسی کےساتھ بھی باندھ دیا جاتا ہے۔ آج کے اس ماڈرن دور میں لڑکیاں اپنے بہتر مستقبل کےلیے کچھ بھی کر سکتی ہیں۔ افسانے " جھکورا" میں صوبی نامی لڑکی جو اپنی برسوں کی منگنی صرف اس لیے توڑ

دیتی ہے کہ اسے " منصور" نامی ڈاکٹر سے محبت ہو جاتی ہے۔ بانو قدسیہ منصور کی زبانی آج کل کی لڑکیوں کے جذبات کی ترجمانی یوں کرتی ہیں:

> ''عورتیں نہ بدلیں تو صدیوں نہیں بدلتی لیکن جب ان کا دل بدلتا ہے تو ایک پل بھی نہیں لگتا نہ صرف وہ اپنے نظریے رائے یا سوچ بدل لیتی ہے بلکہ ان کا سارا رویہ ان کے تمام Moleculeبدل جاتے ہیں جسم کے ۔''(۱۰)

بانو قدسیہ کے افسانوں کی عورت با شعور ہے اور اپنے حقوق کے لیے لڑ سکتی ہے ۔ اپنے شوہر کے بدلتے تیور دیکھ کر اس سے باز پرس کرنا جانتی ہے اورا س میں اتنی جرات بھی ہے کہ افسانہ "الزام الزام تھا" میں اپنے بوڑھے شوہر کوبڈھا ٹھر کی مشہور کر دیتی ہے۔ وہ پہلے زمانے کی عورت نہیں کہ مرد اس کے ساتھ جو سلوک کرے وہ سہتی رہے ، برداشت کرتی رہے اور حرفِ شکایت زبان سے نہ نکالے وہ آج کے دور کی عورت ہے جسے اپنے حقوق کے لیے بولنا آتا ہے ۔

افسانہ " پریم بولی " کی مریم آج کے دور کی ماڈرن لڑکی ہے جو چپ چاپ شوہر کے آگے سر تسلیم خم کرنے کی قائل نہیں بلکہ اپنے حقوق اور جذبات و خواہشات کا احترام کرنے والی ہے اس میں اتنی ہمت ہے کہ وہ اپنی محبت کو چھوڑ دے اور اگر اس کا شوہر اس کے ساتھ دینے کی بجائے والدین کی طرف داری کر تے ہوئے اس کی حق تلفی کرے گا تو وہ اسے اہمیت نہیں دے گی ۔

مریم جدید دور کی عملی لڑکی ہے جب سوچ میں نظریات میں طریقہ کار میں ہم آہنگی نہ ہو تو ساتھ رہنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ شادی کے نبھانے کیلئے دونوں فریقین کی ذہنی ہم آہنگی انتہائی ضروری جز ہے ۔

بانو قدسیہ کی عورت کو شوہر کے چھوڑنے کا ہر گز کوئی دکھ افسوس اور پچھتاوا نہیں بلکہ اسے اگر خوف ہے تو اپنی مظلومیت ظاہر ہونے کا ۔وہ ایک بہادر عورت ہے اور ان مشکلات کا سامنا کرنا بخوبی جانتی ہے ۔بانو قدسیہ کے ابتدائی اوربعد کےافسانوی مجموعے اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ بانو قدسیہ کے نسائی شعور نے بتدریج ارتقائی منازل طے کی ہیں اور انھوں نے عورت کے ظلم وستم سے لے کر تعلیم یافتہ، خود مختار،آزاد عورت تک کے تمام مراحل کو بیان کیا۔

حوالہ جات

1- سیمون دی بووا/یا سرجواد ، بعنوان: عورت ، مشمولہ :**آدھی عورت پورا ادب** ، مرتبین ؛ ڈاکٹر عقیلہ جاوید ، ڈاکٹر حماد رسول، شازیہ یاسمین، شکیل حسین سید، لاہور :فکشن ہاؤس ،۲۰۱۷ء ،ص ۲۳
2- بانو قدسیہ، کاغذی ہے پیراھن،(بازگشت)، **توجہ کی طالب** ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز ، ۲۰۱۰ء ص۳۸۰
3- بانو قدسیہ، پہلا پتھر، **آتش زیرپا**، لاہور :سنگ میل پبلی کیشنز ، ۲۰۱۳ء ص۸۱
4- بانو قدسیہ، مجازی خدا،(بازگشت)، **توجہ کی طالب** ، ص۲۵۵
5- بانوقدسیہ ، موج محیط آب میں،(امربیل) **توجہ کی طالب**،ص۱۳۶-۱۳۵
6- بانوقدسیہ ، موج محیط آب میں،(امربیل) **توجہ کی طالب** ، ص۱۳۷
7- ممتاز مفتی، رام دین، لاہور: فیروز سنز ، ۱۹۸۶ء ، ص ۳۱
8- بانو قدسیہ ،انتر ہوت اداسی ، کچھ اور نہیں، **توجہ کی طالب** ، ص۷۱۸
9- بانو قدسیہ ،انتر ہوت اداسی ، کچھ اور نہیں، **توجہ کی طالب** ، ص۶۹۹-۶۹۸
10- بانو قدسیہ،جھکورا، **نا قابل ذکر**، لاہور: ، سنگ میل پبلی کیشنز ، ۲۰۱۳ء ص۲۱۴